# نقد حدیث کا آغاز وارتقاء (عصر نبوی تا عصر صحابہ)

محمد عبدالرحمٰن ناصر *

Since the advent of Islam, best efforts have been made for the preservation of hadith. To this purpose, the holy prophet (PBUH) provided his ummah with a solid guidance. The companions of the holy Prophet (pbuh) not only took practical steps but they also set up primary rules for the criticism of hadith. This effort became a source of guidance in hadith criticism for the scholars of hadith in the latter era. In this article efforts of the holy Prophet (pbuh) and his companions have been appreciated in this context. And the analytical study of such primary rules and principles have been made which were observed by the holy Prophet(pbuh) and his companions.

منکرین حدیث کے مقاصد اور احادیث اور علوم حدیث پر کیے جانے والے ان کے اعتراضات سے ہر اہل علم بخوبی واقف ہے۔ ان کے جملہ اعتراضات کو موضوع بحث بنانا ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے۔ اس لیے میں اپنے اس مختصر سے مضمون میں منکرین حدیث کے اعتراضات کے بارے میں کوئی تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتا بلکہ میں صرف نقد حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کی جانب سے اٹھائے گئے ایک اعتراض کا جواب نذر قارئین کرنا چاہتا ہوں۔ احباب انکار حدیث موضوع روایات اور وضاع رواۃ کی آڑ لے کر صیانت حدیث کے سلسلے میں محدثین کی انتھک جہود و مساعی کا یکسر انکار کرتے ہوئے محدثین کرام پر مختلف اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ تدوین حدیث کے موقع پر محدثین کے پاس روایت حدیث اور نقد حدیث کے معاملے میں کوئی اصول نہیں تھے اور اگر اصول تھے بھی تو انھوں نے ان اصولوں کو جمع حدیث کے موقع پر اختیار نہیں کیا۔ نتیجتاً انھوں نے جمع احادیث کے شوق میں کسی اصول کو مد نظر رکھے بغیر وضاعین کی روایات سے اپنے اپنے مجموعہ احادیث کو مرتب کیا ہے۔ منکرین حدیث کی ایک بڑی شخصیت حافظ اسلم لکھتے ہیں:

(تدوین حدیث کے موقع پر) حدیثیں اسناد کے ساتھ جمع کی گئی تھیں۔ اس (تدوین حدیث) کے بعد سے تنقید کا سلسلہ شروع ہوا اور صحیح یا غلط کی چھان بین ہونے لگی۔ اس تنقید میں آئمہ حدیث نے دو چیزوں کو سامنے رکھا۔ ایک متن حدیث کو دوسرے رواۃ کو۔۔۔ (متن کے لیے وضع کردہ) اصولوں سے صرف تھوڑی سی غلط اور موضوع حدیثیں پکڑی جا سکیں، کیونکہ جو لوگ حدیثیں تراشتے تھے، وہ اس کے ہر پہلو پر نظر ڈال لیتے تھے تا کہ کہیں

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

سے گرفت نہ ہوسکے۔[1]

حافظ اسلم اپنے ایک اور اقتباس میں لکھتے ہیں:

> حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم سے حدیثیں دوسری صدی ہجری کے آغاز میں لکھی گئیں۔ گو اس وقت بھی لوگ جانچ کرتے تھے، مگر اصل تنقید حدیث کا زمانہ تیسری صدی ہے اور اس دور میں بھی تسامح موجود تھا کیونکہ رواۃ کی ثقاہت ایک باطنی وصف ہے جس کی معرفت ایک مشکل امر تھا، اس لیے مجبوراً رواۃ کی صداقت، ثقاہت اور عدالت کا مدار شہرت اور مقبولیت پر رکھا گیا۔[2]

## منکرین حدیث کے بے سروپا اعتراض کی حقیقت

منکرین حدیث کا یہ اعتراض کہ تدوین حدیث کے وقت تک محدثین کے پاس نقد حدیث کے لیے کوئی اصول نہیں تھے، بالکل بے بنیاد ہے جو بجائے حدیث کے خود ان کی تضعیف وجاہلیت پر دلیل ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ عہد رسالت ہی سے قرآن حکیم کی متعدد آیات[3] میں اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے اقوال کی تحقیق، نقد حدیث کی ضرورت اور روایات کی باعتبار سند ومتن چھان پھٹک کی اہمیت واضح فرمائی ہے۔ انھی آیات سے بعد ازاں محدثین نے نقد حدیث کے دو ستونوں روایت ودرایت کی اصول سازی میں راہ نمائی لی ہے، چنانچہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محدثین نے تو ان آیات کی روشنی میں نقد وجرح کے اصول وضع کیے ہوں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کے حوالے سے کوئی اسوہ چھوڑا ہو نہ صحابہ کرام نے روایت حدیث کی عظیم ذمہ داری ادا کرتے ہوئے قرآن وسنت کی تعلیمات کو مشعل راہ بنایا ہو۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں نقد حدیث کا تاریخی جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے یہ عیاں ہوجائے گا کہ نقد حدیث کے اصول کب وضع اور مستعمل ہوئے اور تدوین حدیث کے موقع پر ان پر کتنا عمل ہوا۔

## عہد رسالت میں فن جرح وتعدیل اور نقد حدیث کے اصول ومبادی

قرآن حکیم کی نقد حدیث پر مبنی تعلیمات کی روشنی میں سب سے پہلے تحقیق اقوال واحادیث اور جرح وتعدیل کا آغاز خود رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ آپ کی حیات طیبہ کے متعدد واقعات وفرامین سے نقد وتحقیق کی نہ صرف اہمیت اجاگر ہوتی ہے بلکہ اس کے چیدہ چیدہ اصولوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صیانت حدیث کے سلسلے میں سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ اپنی امت کو حدیث سازی کی شناعت اور بد انجامی سے باخبر کیا اور انھیں حکم دیا کہ حدیث بیان کرتے ہوئے کوئی جھوٹی بات میری طرف منسوب نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا:

"حَدِّثُوا عَنِّي وَلاَ تَكْذِبُوا عَلَيَّ وَمَن كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَقَدْ تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"[4]

مجھ سے حدیث روایت کرو لیکن میرے اوپر جھوٹ نہ باندھو جس نے ارادتاً جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی تو اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا۔

اس حدیث کو محدثین نے متواتر قرار دیا ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس کے ستانوے (۹۷) طرق بیان کر کے یہ واضح کیا ہے کہ اس حدیث کو عشرہ مبشرہ سمیت بائیس (۲۲) صحابہ نے روایت کیا ہے اور یہ فضیلت اس حدیث کے سوا کسی حدیث کو حاصل نہیں ہے۔[5]

رسول اللہ ﷺ نے دوسرا کام یہ کیا کہ اپنی امت کو اس بات سے بھی باخبر کیا کہ کچھ لوگ تمہارے پاس آکر مجھ سے منسوب جھوٹی احادیث سنائیں گے، تو تم ان کے فتنے سے محفوظ رہنا گمراہ نہ ہونا۔ آپ نے فرمایا:

"يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لاَ يُضِلُّونَكُمْ وَلاَ يَفْتِنُونَكُمْ "[6]

آخری دور میں کچھ دجال و کذاب ہوں گے جو تمہارے پاس آکر ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء واجداد نے، تم اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھنا، کہیں وہ تمہیں گمراہ کر کے فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔

صیانت حدیث کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تیسرا کام یہ کیا کہ اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ کوئی بھی بات تحقیق کے بغیر نقل نہ کی جائے، جو شخص بلا تحقیق کوئی بات نقل کرتا ہے تو اسے دروغ گو سمجھا جائے گا۔ آپ نے فرمایا:

"كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ"[7]

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔

صیانت حدیث کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سند کی تحقیق کا حکم دینے کے علاوہ چوتھا کام یہ کیا کہ اپنی امت کو درایت حدیث کی بھی تعلیم دی۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِذَا سَمِعْتُمْ الْحَدِيثَ عَنِّي تَعْرِفُهُ قُلُوبُكُمْ وَتَلِينُ لَهُ أَشْعَارُكُمْ وَأَبْشَارُكُمْ وَتَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْكُمْ قَرِيبٌ فَأَنَا أَوْلَاكُمْ بِهِ وَإِذَا سَمِعْتُمْ الْحَدِيثَ عَنِّي تُنْكِرُهُ قُلُوبُكُمْ وَتَنْفِرُ أَشْعَارُكُمْ وَأَبْشَارُكُمْ وَتَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْكُمْ بَعِيدٌ فَأَنَا أَبْعَدُكُمْ مِنْهُ"[8]

اگر تم میرے حوالے سے کوئی ایسی حدیث سنو جس سے تمھارے دل شناسا ہوں، اس کے مضمون سے تمہارے بال و کھال نرم ہو جائیں (یعنی وہ تمھیں متاثر کرے) اور تم اس سے قرب محسوس کرو تو میں اس حدیث کا تم سے زیادہ مستحق ہوں اور اگر تم میرے حوالے سے کوئی حدیث سنو جس سے تمھارے دل نامانوس ہوں، اس سے تمھارے بال اور کھال متنفر ہوں اور تم اس سے بعد محسوس کرو تو میں تمھاری نسبت اس سے بہت زیادہ دور ہوں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو درایتِ حدیث کی ترغیب دی ہے۔ یہ حدیث در حقیقت احادیث کے پرکھنے اور جانچنے کی کسوٹی ہے۔ شارع علیہ السلام کا ہر ہر لفظ احکام، اسرار شریعت، مصالح عامہ، تزکیۂ باطن اور اثر و تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا جو حدیث ان اوصاف سے خالی ہو اس کے ضعیف اور موضوع ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے، صحابہ کرام جو مزاج شناسِ نبوت تھے ان میں فن درایت اسی کی بدولت پیدا ہوا تھا۔

مزید برآں آپ کی سیرت کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے لوگوں کی باتوں کے ردو قبولیت کے لیے ان کی تجریح و تعدیل کی سنت جاری فرما کر امت کو یہ تعلیم دی کہ وہ بھی فرامین نبوی کی صیانت و حفاظت کے لیے فن جرح و تعدیل سے بخوبی استفادہ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں بہت سے لوگوں کی جرح و تعدیل کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابو بکرؓ کو "صدیق" کے لقب سے سرفراز فرما کر [9]، عبد اللہ بن عمرؓ کو "رَجُلٌ صَالِحٌ"[10] کہہ کر خزیمہؓ کی شہادت کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے کر [11]، حاطب بن ابوبلتعہ کو "لَقَدْ صَدَقَكُمْ"[12]، خالد بن ولید کو "سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنِعْمَ فَتَى الْعَشِيرَةِ"[13]، عمرؓ کو "أَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللَّهِ"، عثمان کو "أَصْدَقُهُمْ حَيَاءً"، معاذ بن جبل کو "أَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ"، زید بن ثابت کو "أَفْرَضُهُمْ"، ابی بن کعب کو "أَقْرَؤُهُمْ" اور ابو عبیدہ بن جراح کو "لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ" کے تمغے سے نواز کر در حقیقت ان کی وقتاً فوقتاً توثیق و تعدیل کی ہے۔[14]

اسی طرح آپ نے کسی پر"بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ وَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ" [15] کی، ابو جہمؓ پر"فَلاَ يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ" کی اور معاویہؓ پر"صُعْلُوكٌ" کی جرح کی ہے،[16] نیز آپ نے بعض منافق افراد کے بارے میں فرمایا:

"مَا أَظُنُّ فُلاَنًا وَفُلاَنًا يَعْرِفَانِ مِنْ دِينِنَا شَيْئًا "[17]

میں نہیں سمجھتا کہ فلاں فلاں ہمارے دین کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی مذکورہ جرح وتعدیل اوران سے مماثل دیگر واقعات نبوی سے یہ بات کھل کر عیاں ہو جاتی ہے کہ نقد حدیث کے سب سے بنیادی عنصر جرح وتعدیل کے بانی خود رسالت مآب ﷺ ہیں، چنانچہ محدثین کرام نے آپ کے ان جیسے فرامین سے استدلال کر کے کسی راوی پر جرح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔[18]

مذکورہ روایات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ کچھ لوگ آپ کی جانب خود ساختہ احادیث منسوب کریں گے۔ اس کے انسداد کے لیے آپ نے نہایت محکم فیصلے فرمائے اور امت کو ان کی جانب بھرپور توجہ دینے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ عملی اقدامات بھی کیے۔ آپ نے اپنی امت کو فتنہ احادیث سازی کی اطلاع دی، اپنے دور کی ضرورت کے مطابق بعض صحابہ کی جرح وتعدیل کی اور تحقیق حدیث کے بعض اصول وضع کیے۔ ہر ذی شعور شخص یہ جانتا اور مانتا ہے کہ کوئی بھی آدمی یہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ کوئی شخص اس پر جھوٹ باندھ کر اس سے اپنے بد باطن کا اظہار یا کسی غلط مقصد کی تکمیل کرے تو نبی اکرم ﷺ جن کا ہر قول وعمل دین وشریعت، دوسرے لوگوں کے اقوال واعمال کے حق یا باطل ہونے کسوٹی اور قانون کا درجہ رکھتا ہے وہ اسے کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ اسی لیے آپ نے اپنی حیات سعیدہ ہی میں حفاظت حدیث اور صحیح وضعیف احادیث کے مابین خط تمیز کھینچنے کے لیے نقد حدیث اور جرح وتعدیل کے ابتدائی خدوخال بیان فرمائے اور ان کے اصول وضوابط کی ضرورت واہمیت کی طرف امت کی راہنمائی کی۔

آپ کی انھی تعلیمات کی بدولت مزاج شناسِ نبوت صحابہ کرام کو حدیث اور نقد حدیث کی اہمیت کا بخوبی ادراک ہو گیا تھا، چنانچہ انھوں نے روایات قبول کرنے میں نہایت دقیق بینی کے ساتھ احتیاط کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بعد جب زمام حفاظت حدیث تابعین وتبع تابعین کے سپرد ہوئی تو وہ بھی اپنے اپنے ادوار کی ضرورت کے مطابق اس فن کی خدمت اور آبیاری کرتے رہے تا آنکہ یہ فن مدون ہو کر

منصہ شہود پر آگیا۔اب بحیثیت ایک امتی کے رسول کے فرمان اوردین کی حفاظت کرنے کے لیے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم احادیث کی تحقیق و تفتیش کریں کہ کہیں ہم کوئی خود ساختہ یاضعیف حدیث آپ کی طرف منسوب کرکے اس پر شریعت واحکام کی بنیاد نہ رکھ دیں اور اس تحقیق کاسب سے بہترین ذریعہ روایت ودرایت حدیث کے وہ اصول ومبادی اور علوم ہیں جو محدثین کرام نے حفاظت حدیث کے لیے سب سے معتبر مآخذ شریعت قرآن وسنت کی روشنی میں وضع وایجاد کیے ہیں۔

## دور نبوت میں نقد و تحقیق حدیث کا آغاز

نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی حیات مبارکہ میں وضع حدیث کاسوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود آپ نے تحقیق روایات کے معاملے صحابہ کرام کی جو تربیت کی تھی اس کے زیر اثر صحابہ کرام دور نبوت میں بھی احادیث کی چھان پھٹک کیا کرتے تھے۔اس وقت چونکہ ان کے پاس تحقیق وتنقید کاسب سے اعلیٰ وبہتر ذریعہ یعنی خود قائل رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے اس کی تصدیق کرناموجود تھااس لیے وہ خود نقد کرکے حدیث کورد تونہیں کرتے تھے لیکن جہاں وہ مشکوک ہوتے تووہ دربار رسالت سے رجوع کرکے اپنی تشفی کرلیتے اور رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حدیث کی صحت کی تصدیق فرمادیتے۔اس سلسلے میں متعدد واقعات کتب احادیث میں منقول ہیں لیکن میں ان میں سے صرف دوواقعات کاتذکرہ کروں گا۔

1۔ حجۃ الوداع کے موقع پر سیدنا علیؓ یمن سے قربانی کا جانور لائے توانھوں نے سیدہ فاطمہؓ کورنگ دار کپڑے پہنے ہوئے اور سرمہ لگائے ہوئے پایا۔آپ فرماتے ہیں کہ میں مشتعل ہوکر رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوااوراستفسار کیاکہ فاطمہؓ نے رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ لگایاہواہے اوروہ کہتی ہیں کہ مجھے میرے باپ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس کاحکم دیاہے۔رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"صَدَقَتْ صَدَقَتْ أَنَا أَمَرْتُهَا"[19]

اس نے سچ کہاہے، سچ کہاہے میں نے ہی اسے اس کاحکم دیاتھا۔

2۔ سیدنا عبد اللہ بن عمروؓ کوکسی نے یہ حدیث بیان کی کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے نصف ثواب ملتاہے تووہ تحقیق کی غرض سے دربار رسالت میں پہنچے توآپ کوبیٹھ کر محو نماز دیکھاتوافسوس سے انھوں نے اپناہاتھ سرپر رکھ لیا۔رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے انھیں پوچھاکہ کیاہواتوانھوں نے کہاکہ مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔آپ نے فرمایا:

"أَجَلْ وَلَكِنِّي لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ"[20]

ہاں! (جو سنا وہ ٹھیک ہے) لیکن میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں ہوں۔

مذکورہ واقعات اور عہد رسالت میں نقد حدیث کی بابت دیگر مثالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح صاف اور عیاں ہو جاتی ہے کہ نقد حدیث وہ اہم اسلامی فن ہے جس کی داغ بیل دور نبوی میں پڑ چکی تھی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں احادیث کے بارے میں کھود کرید اور تحقیق کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن اس دور میں تحقیق کا معاملہ محدود پیمانے پر زیر نگاہ حدیث کی بابت نبی کریم ﷺ سے استفسار تک محدود تھا کیونکہ صحابہ کرام جھوٹ بولتے تھے نہ کسی صحابی کی تکذیب کرتے تھے۔ اس دور میں اس بحث و تفتیش کا زیادہ سے زیادہ مقصد باریک بینی چھان بین بلکہ کہا جائے تو تصدیق و توثیق کی وہ نوع تھی جو قلبی طمانیت کے جذبے کے تحت کی جاتی ہے، جس کا اظہار سیدنا ابراہیمؑ نے بھی اپنے اللہ سے کیا تھا۔ بہر حال صحابہ کی یہ تحقیق سوائے مزید اطمینان کے کسی اور مقصد کے لیے نہیں ہوتی تھی۔[21]

## دور صحابہ میں نقد حدیث کا ارتقاء

دور رسالت کے بعد صحابہ کرام اخذ وروایت حدیث میں مزید احتیاط برتنے لگے اور انھوں نے اب اسوہ رسول کی روشنی میں اپنے وقت کی ضرورت کے مطابق نقد حدیث کے دیگر اسالیب اور اصولوں کو بروئے کار لانا شروع کر دیا۔ روایت حدیث کے معاملے میں صحابہ کرام اور حدیث رسول کے مابین اگر کوئی واسطہ ہوتا بھی تو وہ کوئی صحابی ہی ہوتا تھا، جن سے کذب اور غلط بیانی کا امکان نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت تک حدیث میں کذب بیانی کا رواج ہوا تھا نہ صحابہ کرام دروغ گوئی کے خوگر تھے۔ صحابہ کرام ہر حال میں دین کو انہیں خطوط پر قائم رکھتے تھے جس پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پایا تھا، اس لئے ان کی جھوٹ سے نفرت بجا اور قرین قیاس تھی، نیز تمام صحابہ کرامؓ حدیث رسول ﷺ کو اصل دین سمجھتے تھے اور دین کے لئے انہوں نے بے پناہ قربانیاں دی تھیں بھلا وہ جھوٹ بول کر صحیح

دین کو باطل سے مکدر کیسے کر سکتے تھے بلکہ وہ حدیث کو نہایت احتیاط سے روایت کرتے جس میں جھوٹ یا خطا کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ سیدنا انسؓ فرماتے ہیں:

"واللہ ما کل ما نحدثکم بہ سمعناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و لکن کان یحدث بعضنا بعضا و لا یتھم بعضنا بعضا" [22] وفی لفظ "ولکن لم یکن یکذب بعضنا بعضا"[23]

اللہ کی قسم! ہم تم سے جو حدیثیں روایت کرتے ہیں وہ تمام ہم نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی ہوتیں، لیکن ہم ایک دوسرے کو حدیثیں بیان کیا کرتے تھے اور ہم میں سے کوئی کسی کو دروغ گوئی یا غلط بیانی سے متہم نہیں کرتا تھا۔" دوسری روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا: "لیکن ہم ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔

صداقت صحابہ اور دروغ گوئی سے ان کی نفرت کی تصدیق حضرت براء بھی کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہم سب رسول اللہ ﷺ سے حدیث نہیں سنتے تھے کیونکہ ہماری مشغولیت اور کاروبار تھے، لیکن اس دور میں لوگ جھوٹ نہیں بولتے تھے، لہذا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتا وہ غیر حاضر کو حدیث پہنچا دیتا۔" [24]

ان آثار سے اور کتب حدیث میں بکھرے ہوئے ان جیسے دیگر آثار سے بزبان صحابہ صداقت وعدالت صحابہ ثابت ہوتی اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اللہ تعالی نے بھی تو ان کی تعدیل کی ہے۔ بہر حال اس سے یہ واضح ہے کہ صحابہ کرامؓ کا دامن کذب سے پاک تھا۔ بلاشبہ کسی صحابی سے عمداً کسی جھوٹی بات کو رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنا ثابت نہیں، لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام نے منشاء نبوی کو سمجھتے ہوئے حفاظت دین وحدیث کی خاطر اپنے دور میں نقد حدیث کو رواج دیا جس کا باقاعدہ آغاز خلیفہ اول کے دور سے ہوا۔ ڈاکٹر موفق بن عبد اللہ رقم طراز ہیں:

"وبدأ التحری فی اخذ السنة فی وقت مبکر منذ عھد ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما، ثم استمر التفتیش عن احوال الرجال وازداد، فتکلم عدد من التابعین فی الجرح والتعدیل"[25]

سنت واحادیث قبول کرنے میں تحقیق و تفتیش کی ابتدا سیدنا ابو بکر و عمرؓ کے دور سے ہوئی، پھر رجال حدیث کے بارے میں تحقیق و جستجو کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا اور متعدد تابعین نے جرح وتعدیل کو موضوع گفتگو بنایا۔

نقد حدیث کے متعلق خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے متعدد اقوال وواقعات کتب حدیث میں مذکور ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ میں اپنی بات کی تصدیق اور منکرین حدیث کی تذکیر کے لیے پیش کرنا چاہوں گا۔

1۔ امام ذہبیؒ سیدنا ابو بکرؓ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"كان أول من احتاط في قبول الأخبار"[26]

سیدنا ابو بکرؓ وہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے قبولیت احادیث میں احتیاط کا دامن تھاما۔

اس کے ثبوت میں امام ذہبیؒ نے دادی کی میراث کا وہ واقعہ پیش کیا ہے، جس میں ہے کہ دادی نے دور صدیقی میں آپ سے وراثت کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا: "مجھے کتاب وسنت میں تیرا حصے کا تذکرہ نہیں ملا۔" پھر آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے پوچھا کہ کیا اور بھی کوئی تمھارے ساتھ ہے؟ تو محمد بن مسلمہؓ نے اس کی گواہی دی۔ اس پر ابو بکرؓ نے دادی کا چھٹا حصہ نافذ کر دیا۔[27]

اسی طرح جب تدوین قرآن کا مرحلہ پیش آیا تو سیدنا ابو بکرؓ نے زید بن ثابتؓ کو بلا کر تدوین قرآن کی ذمہ داری سونپی اور فرمایا:

"إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لاَ نَتَّهِمُكَ"[28]

بلاشبہ تم جوان، عقل مند اور زیرک آدمی ہو اور ہم تمھیں (جھوٹ یا ضعف حفظ جیسے) کسی الزام سے متہم نہیں کرتے۔

آپ کے یہ الفاظ درحقیقت اسی علم کی مبادیات میں سے ہیں جسے لوگ آج علم جرح وتعدیل کے نام سے جانتے ہیں تو معلوم ہوا کہ دور صدیقی میں علم جرح وتعدیل تدوینی شکل میں تو نہیں بہر حال عملی طور پر ضرور موجود تھا۔

2۔ سیدنا ابو بکرؓ کے بعد اسی منہج پر سیدنا عمرؓ چلے، بلکہ انھوں نے اس میں مزید جدت پیدا کی اور محدثین کے لیے نقد حدیث کے کئی نئے پہلو متعارف کروانے کا باعث بنے، چنانچہ سیدنا عمرؓ کے تذکرے میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"هو الذي سن للمحدثين التثبت في النقل وربما كان يتوقف في خبر الواحد إذا ارتاب"[29]

آپ وہ ہستی ہیں جنہوں نے محدثین کے لیے نقل روایت میں چھان بین اور تحقیق کا منہج جاری فرمایا۔ بسا اوقات آپ شک کی وجہ سے خبر واحد کو قبول کرنے میں توقف کیا کرتے تھے۔

سیدنا عمرؓ نے جرح و تعدیل، طلب سند اور درایت حدیث جیسے علوم نقد حدیث میں اپنے دور کی ضرورت کے مطابق مفید اصلاحات کا نفاذ کیا۔ اس سلسلے میں آپ کے متعدد واقعات و اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

ا۔ رفاعہ بن رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عمرؓ کے پاس موجود تھا کہ ان سے کسی نے کہا کہ زید بن ثابتؓ مسجد میں بوقت جماع عدم انزال ہونے کی بابت اپنی رائے سے فتویٰ دے رہے ہیں۔ آپ نے انھیں بلایا اور کہا: "اپنی جان کے دشمن! تمھیں خبر بھی ہے کہ تم مسجد نبوی میں اپنی رائے سے فتویٰ دے رہے ہو؟" انھوں نے کہا کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ مجھے میرے چچاؤں یعنی ابی بن کعب، ابو ایوب اور رفاعہ بن رافعؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ نوجوان کیا کہتا ہے؟ میں نے کہا کہ ہم عہد رسالت میں اس طرح کر کے غسل نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے لوگوں کو جمع کر لیا تو سیدنا علی اور معاذ بن جبلؓ کے سوا سبھی صحابہ نے بالاتفاق کہا کہ انزال کے بغیر غسل نہیں ہے، جبکہ سیدنا علی اور معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ جب ختنہ ختنے سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہے۔ سیدنا علیؓ نے کہا کہ اس مسئلے میں سب سے زیادہ علم ازواج مطہرات کو ہے، چنانچہ حفصہؓ سے پوچھا گیا انھوں نے کہا کہ مجھے علم نہیں، پھر عائشہؓ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ختنہ ختنے سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہے۔ اس پر عمرؓ طیش میں آگئے اور فرمایا کہ جس کے بارے میں اب مجھے یہ خبر ملی کہ اس نے اس فعل کی ادائیگی کے بعد غسل نہیں کیا تو میں اسے سزا دوں گا۔[30]

اس واقعے میں سیدنا عمرؓ نے ایک تو تحقیق روایت کے لیے اپنی رائے سے فتویٰ دینے کی بات کر کے سند طلب کی ہے، جب سند ملی تو باقاعدہ رفاعہ بن رافعؓ سے اس کی تصدیق کی، پھر صحابہ کی مشاورت سے اس کا درایتاً جائزہ لیا اور فیصلہ صادر فرمایا۔

**۲۔** سیدنا ابو موسیٰؓ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن خطابؓ سے ملاقات کے لیے آئے۔ تین دفعہ اجازت طلب کی اور اجازت نہ ملنے پر واپس لوٹ گئے۔ سیدنا عمرؓ نے انہیں واپس بلایا اور لوٹنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ فرمان نبوی ہے:

"الِاسْتِئْذَانُ ثَلاَثٌ فَإِنْ أُذِنَ لَكَ وَإِلاَّ فَارْجِعْ"

اجازت مانگنا تین بار ہے، پھر اگر اجازت ہو تو بہتر ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔

سیدنا عمرؓ نے کہا کہ اس حدیث پر گواہ لاؤ ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ قصہ مختصر سیدنا ابو موسیٰؓ نے ابی بن کعبؓ کو بطور گواہ پیش کیا تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا : "عَدْلٌ" " وہ عادل وثقہ ہیں۔" چنانچہ سیدنا ابی بن کعب نے ابو موسیٰؓ کی تائید کی، پھر کہنے لگے: ابن خطاب! تم نبی کریم ﷺ کے اصحاب پر عذاب مت بنو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّمَا سَمِعْتُ شَيْئًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَثَبَّتَ"[31]

واہ سبحان اللہ! میں نے تو ایک حدیث سنی تو اس کی تحقیق کرنی چاہی۔

اس موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

"إِنِّي لَمْ أَتَّهِمْكَ وَلَكِنَّ الْحَدِيثَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- شَدِيدٌ"[32]

میں تم پر جھوٹ کا الزام نہیں لگاتا، لیکن رسول اللہ ﷺ سے نقل حدیث کا معاملہ نہایت سنگین ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے:

"إِنِّي لَمْ أَتَّهِمْكَ وَلَكِنْ خَشِيتُ أَنْ يَتَقَوَّلَ النَّاسُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم"[33]

میں تمھیں کوئی الزام نہیں دیتا، لیکن مجھے لوگوں سے رسول اللہ ﷺ پر خود ساختہ بات تھوپنے کا خدشہ ہے۔

اس واقعے میں "عَدْلٌ" اور" لَمْ أَتَّهِمْكَ" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ نقد حدیث کے معاملے میں جرح وتعدیل سے بھی مدد لیتے تھے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہمیت حدیث کی غرض سے احادیث کی تحقیق وتنقید کیا کرتے تھے نہ کہ صحابہ پر عدم اعتماد کی وجہ سے۔

۳۔ اسی طرح مطلقہ بائنہ کی عدت میں اس کے اخراجات اور رہائش کا ذمہ دار اس کے سابق شوہر کے ہونے یانہ ہونے کے مسئلے میں سیدنا عمرؓ نے فاطمہ بنتِ قیسؓ کی حدیث رد کرتے ہوئے فرمایا:

"لاَ نَتْرُكُ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صلى الله عليه وسلم لِقَوْلِ امْرَأَةٍ لاَ نَدْرِى لَعَلَّهَا حَفِظَتْ أَوْ نَسِيَتْ"[34]

کسی ایسی عورت کے بیان پر ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے، جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ آیا اس نے بات صحیح یاد رکھی یا بھول گئی۔

اس واقعہ میں سیدنا عمرؓ نے راوی کی بات خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے اس کی حدیث پر جرح کی اور اس کے حافظے میں شک کا اظہار کر کے اس کی حدیث رد کر دی، یعنی انھوں نے رد حدیث میں درایت کے ساتھ ساتھ راوی کے ضعف حفظ کو بھی بنیاد بنایا۔

۴۔ مزید برآں سیدنا عمرؓ نے امت کو معتبر اور ثقہ راوی کی روایت ہی کو قبول کرنے کا اصول بھی دیا۔ سیدنا ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

"كان يأمرنا أن لا نأخذ إلا عن ثقة"[35]

سیدنا عمرؓ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم ثقہ کے سوا کسی سے روایت نہ لیا کریں۔

3۔ سیدنا علیؓ نے تحقیق حدیث کے لیے ایک نیا طریقہ یعنی راوی سے قسم لینا متعارف کروایا۔ فرماتے ہیں:

"كُنْتُ رَجُلاً إِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- حَدِيثًا نَفَعَنِى اللَّهُ مِنْهُ بِمَا شَاءَ أَنْ يَنْفَعَنِى وَإِذَا حَدَّثَنِى أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ اسْتَحْلَفْتُهُ فَإِذَا حَلَفَ لِى صَدَّقْتُهُ"[36]

جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو (اس پر عمل کے معاملے میں) اللہ جتنا چاہتا مجھے اس سے مستفید کرتا اور جب کوئی صحابی مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم لیتا۔ اگر وہ قسم دے دیتا تو میں اس کی حدیث کی تصدیق کرتا۔

امام ابن حبانؒ سیدنا عمر اور علیؓ کے نقد حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

"هذان أول من فتشا عن الرجال في الرواية وبحثا عن النقل في الأخبار ثم تبعهم ناس على ذلك"[37]

یہ دونوں وہ اولین شخصیات ہیں جنہوں نے سب سے پہلے روایت میں راویوں کی تحقیق کی اور نقل روایات میں چھان پھٹک اور نقد کا آغاز کیا، پھر لوگوں نے اس کام میں ان کی اتباع کی۔

سیدہ عائشہؓ نے ایک مرتبہ حج کے موقع پر عروہؒ کو سیدنا عبداللہ بن عمروؓ کے پاس حصول علم حدیث کے لیے بھیجا تو انھوں نے علماء کے اٹھائے جانے سے علم ختم ہونے کی بابت معروف حدیث نبوی بیان کی تو سیدہ عائشہؓ نے اس پر تعجب کیا۔ اگلے سال پھر انھوں نے عروہؒ کو حج کے موقع پر عبداللہؓ کی خدمت میں اس حدیث کی بابت استفسار کے لیے بھیجا تو انھوں نے پھر اسی طرح حدیث بیان کی۔ اس پر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا:

" وَاللَّهِ لَقَدْ حَفِظَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو"[38]

اللہ کی قسم عبداللہ بن عمروؓ نے حدیث یاد رکھی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اس موقع پر سیدہ عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا:

"مَا أَحْسَبُهُ إِلَّا قَدْ صَدَقَ أَرَاهُ لَمْ يَزِدْ فِيهِ شَيْئًا وَلَمْ يَنْقُصْ"[39]

مجھے یقین ہے کہ انھوں نے سچ ہی کہا ہے اور میرا خیال ہے کہ انھوں نے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔

اس قصے سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بسا اوقات دوسرے صحابی کے حافظے کی جانچ بھی کیا کرتے تھے اور دوسرا یہ کہ اس روایت میں نقد حدیث کا ایک طریقہ بیان ہوا کہ اگر کسی راوی کی روایت غلط محسوس ہو تو کچھ عرصے بعد دوبارہ اس راوی سے اس حدیث کے بارے میں استفسار کرو۔ اگر روایت درست اور راوی کا حافظہ صحیح ہوا تو وہ بعینہ اسی طرح روایت بیان کرے گا جیسے اس نے پہلی مرتبہ بیان کی تھی ورنہ بصورت دیگر اس کا بیان مختلف ہو گا۔ یہ طریقہ بعد میں محدثین کے ہاں مروج رہا ہے۔ تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے ابن عمروؓ کے کا امتحان لینے کے بعد ان کے ضبط وعدالت کی توثیق کی ہے، جس کا تعلق فن جرح وتعدیل سے ہے۔

اسی طرح زید بن ثابت، [40] عمران بن حصین، [41] ابن عمر [42] اور دیگر صحابہ کرام سے مختلف انداز میں تحقیق و نقد حدیث کا ثبوت ملتا ہے۔ صحابہ کرام نے تحقیق حدیث کا کام بڑی جانفشانی سے کیا ہے ۔اس کے لیے انھیں اپنے نامساعد حالات کے باوجود صعوبتیں اور سفر کی مشقتیں بھی جھیلنی پڑیں توانھوں نے اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔

سیدنا جابر بن عبد اللہؓ کو قیامت کے روز مظالم کے قصاص کی بابت کسی نامعلوم صحابی سے ایک حدیث پہنچی۔ اس صحابی کے بارے میں انھیں صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ شام میں رہتے ہیں۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک اونٹ خریدا اور مہینے بھر کی مسافت کے بعد شام پہنچا تو وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ صحابی عبد اللہ بن انیسؓ ہیں تو انھوں نے ان سے مطلوبہ حدیث سنی۔ [43]

عدالت صحابہ مسلم ہونے کی وجہ سے جہالت صحابہ صحت حدیث میں مضر نہیں ہے، جبکہ عام راوی کی جہالت قابل تضعیف ہے لیکن صحابہ چونکہ حدیث میں ذرہ برابر شک بھی گوارہ نہیں کرتے تھے اس لیے جابرؓ نے جہالت راوی کو رفع کرنے کے لیے ایک مہینے کا سفر کر کے ہمیں یہ اصول دیا کہ مجہول راوی کی روایت معتبر نہیں ہے تا آنکہ اس کی جہالت سے پردہ اٹھ جائے۔

اسی طرح ابو ایوب انصاریؓ نے عقبہ بن عامرؓ سے عیب پوشی کی بابت حدیث کی تحقیق کے لیے مدینے سے مصر کا سفر کیا۔ اس میں عجیب بات یہ ہے کہ انھوں نے خود بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، لیکن اطمینان قلب کے لیے عقبہؓ سے اس کی تحقیق کی۔ [44]

مذکورہ گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ دور صحابہ کرام میں ضرورت زمانہ کے مطابق نقد حدیث موجود تھا۔ صحابہ بغیر تحقیق کے روایت قبول نہیں کرتے تھے اور وہ نقد حدیث کے لیے جو اصول واسلوب استعمال کرتے تھے یہ انھی اصولوں کے ابتدائی خدوخال اور بنیادی شکل تھی جنھیں بعد میں محدثین نے اپنے ادوار کی ضرورت کے مطابق حک واضافے کے ساتھ نقد حدیث کے قواعد کی صورت میں تدوینی شکل دی۔

یہاں میں یہ بھی وضاحت کرتا چلوں کہ سیدنا ابو بکر و عمر اور دیگر صحابہ کرامؓ نے قبول حدیث میں بسا اوقات کسی ایک صحابی کی روایت کو قبول نہیں کیا تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس صحابی کو جھوٹا یا ضعیف خیال کرتے تھے، بلکہ ان کا مطالبہ شہادت اہمیت حدیث کے پیش نظر تحقیق کی غرض

سے ہوتا تھا جیسا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے قصے میں سیدنا عمرؓ کا فرمان گزرا ہے یا پھر اس وجہ سے کہ کہیں صحابی سے بشری تقاضے کے تحت نسیان کا صدور نہ ہو گیا ہو۔ خلدون احدب فرماتے ہیں:

نقد کی ساخت وپرداخت اور حدیث کے قبول ورد کا اس کے ساتھ ربط عہد صحابہ میں تھا اور نقد کا وجود ضروری بھی تھا کیونکہ صحابہ کرام اگرچہ اللہ تعالی کی تعدیل کی وجہ سے عادل ہیں لیکن حفظ وضبط ایک دوسرا وصف ہے جس کا عدالت میں کوئی دخل نہیں ہے، لہذا کسی نے احادیث یاد رکھیں اور کسی نے بھلادیں اور کوئی کسی سے قوی حافظے کا مالک تھا، چنانچہ اس سبب کی بنا پر نقد کی (دور صحابہ میں) نشوونما ہوئی۔[45]

## شہادت عثمان، فتنہ وضع حدیث اور نقد حدیث

عرب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ اکثر زمانۂ جاہلیت میں بھی اشعار وحکایات کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے[46]، لیکن روایت حدیث کے آغاز سے اس کی اہمیت دوچند ہو گئی اور اس کی تحقیق کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت سے قبل بعض صحابہ کرامؓ وتابعین اپنے دور کے عامۃ الناس کی ثقاہت، صداقت وامانت اور اخلاص کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی بنا پر کبھی کبھار اسناد کا اہتمام نہیں رکھتے تھے، لیکن شہادت عثمانؓ کے ساتھ ہی جہاں مسلمان سخت ابتلا وآزمائش کا شکار ہوئے، ملت واحدہ فرقوں میں منقسم ہوئی، مسلمانوں کا سیاسی نظام درہم برہم ہوا وہیں نقد حدیث نے بھی نیا موڑ لیا اور تمام صحابہ وتابعین خصوصیت سے اسناد کا اہتمام والتزام کرنے لگے۔

شہادت عثمانؓ کے بعد نقد حدیث میں شدت کا سبب یہ بات بنی کہ عبد اللہ بن سبا یہودی، جس نے اسلام کو نقصان پہنچانے کی خاطر اسلام کا ظاہری لبادہ اوڑھ رکھا تھا، کی کوششوں سے مسلمانوں کے مابین اختلافات پیدا ہوئے اور مختلف اعتقادی بدعات نے جنم لیا۔ ابن سبا نے اپنے آپ کو محب علی واہل بیت کے طور پر متعارف کروا کر مسلمانوں میں اپنا ایک الگ گروپ تشکیل دیا۔ یہ لوگ اہل بیت کی محبت کے درپردہ صحابہ کرامؓ پر سرعام تنقید کرتے، ان پر الزامات لگاتے اور سیدنا علیؓ کو خلافت کا اصل حق دار قرار دے کر ان کی شان میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے۔ اپنی بات کو اہمیت دینے کے لیے خود ساختہ احادیث کا سہارا لیتے، چنانچہ ابن سبا ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حدیث میں کذب بیانی کا آغاز

کیا[47] پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ذریت پوری گرم جوشی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف من گھڑت روایات منسوب کرنے لگی۔

یہ وہ کڑوا سچ ہے کہ جسے شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ شریک بن عبد اللہؒ، جنھیں بعض نے معتدل شیعہ قرار دیا ہے،[48] فرماتے ہیں:

" احمل العلم عن كل من لقيت إلا الرافضة يضعون الحديث ويتخذونه دينا"[49]

روافض کے سوا ہر راوی سے علم حدیث لے لو کیونکہ روافض حدیث گھڑتے ہیں اور اسے دین قرار دیتے ہیں۔

معروف معتدل شیعہ محقق وامام ابن ابو حدید کہتے ہیں کہ احادیث فضائل ومناقب میں سب سے پہلے جھوٹی روایات کا آغاز شیعہ کی جانب سے ہوا۔ انھوں نے اپنے امام (سیدنا علیؓ) کے متعلق مختلف احادیث گھڑیں جس کا سبب ان کی اپنے مخاصمین سے عداوت تھی۔ جب بکریہ (اہل سنت) نے شیعہ کا یہ کام دیکھا تو انھوں نے ان احادیث کے مقابلے میں اپنے صاحب کے لیے احادیث تخلیق کیں۔[50]

شیعہ کی اتباع میں دیگر مبتدع فرقوں نے بھی وضع حدیث میں اپنا حصہ ڈالنا شروع کر دیا لیکن دور صحابہ میں جس مبتدع فرقے نے احادیث سازی کی وہ صرف شیعہ ہیں۔ سبائیوں نے اس منحوس امر کے آغاز کے لئے اپنے تئیں حالات کو بڑا ساز گار خیال کیا تھا کہ اکثر کبار صحابہ کرام دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، لہذا ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی، کیونکہ جو صحابہ کرام اس وقت حیات تھے وہ اسلام کی حفاظت میں انھی نقوش پر گامزن تھے جن پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور پیش رو اکابر صحابہ کو پایا تھا، لہذا ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ سبائیوں کے اس ہلاکت خیز فتنے پر خاموش تماشائی بنے رہتے چنانچہ انہوں نے ان حالات میں حفاظت حدیث کی ذمہ داری اس طرح سرانجام دی کہ کذب پردازوں کی کوششیں ان کی موجودگی میں ناکام ثابت ہوئیں۔

سیدنا علیؓ جو اس وقت سریر آرائے خلافت پر جلوہ افروز تھے، انھوں نے پوری قوت سے اس فتنہ کی بیخ کنی کی۔ انھوں نے ایک تو وضع حدیث کے اس فتنے اور اس جماعت کی سازش سے لوگوں کو آگاہ کیا، چنانچہ جنگ صفین کے موقع پر آپ نے فرمایا:

"قاتلهم الله أي عصابة بيضاء سودوا، وأي حديث من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أفسدوا"[51]

اللہ انہیں ہلاک کرے! کس قدر روشن جماعت کو انھوں نے سیاہ کر دیا اور کتنی احادیث نبوی ﷺ کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

دوسرا کام آپ نے یہ کیا کہ جو لوگ آپ کی محبت و تعلق کے دعوے دار ہونے کے ساتھ ساتھ وضع حدیث، الوہیت علی، شیخین پر تبرا بازی جیسے غالی نظریات کے حامل تھے ان کے ساتھ دار و گیر کا معاملہ کیا اور پھر ان کے نظریات کے مطابق کسی کو جلا دیا، کسی کو جلاوطن کر دیا اور کسی کو جسمانی سزا کی تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔[52]

تیسرا کام آپ نے یہ کیا کہ قبول روایت قبول کے لیے نقد حدیث کو لازم قرار دیا اور صحیح اور غلط احادیث کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لیے ایک عمومی ضابطہ بھی بیان فرمایا:

"حدثوا الناس بما يعرفون ودعوا ما ينكرون أتحبون أن يكذب الله ورسوله"[53]

لوگوں سے وہی باتیں بیان کرو جنہیں وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ آشنا نہ ہوں، وہ انھیں بیان نہ کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کا جھٹلایا جائے۔

امام ذہبی اس اثر کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

سیدنا علیؓ نے منکر احادیث کو روایت کرنے سے ڈانٹا اور (صحت میں) مشہور احادیث بیان کرنے پر ابھارا ہے۔ یہ اثر احادیث پرکھنے کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہے کہ فضائل، عقائد اور زہد ور قائق کی بابت ایسی منکر اور فضول احادیث کو بیان اور پھیلانے سے باز رہا جائے جن سے واقفیت رجال کی معرفت میں مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔ واللہ اعلم[54]

اس دور میں نقد حدیث کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے اجتماعی نظریے پر روشنی اس واقعے سے بھی پڑتی ہے کہ بشیر بن کعب ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بار بار "قَالَ رَسُولُ اللہِ" کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف احادیث منسوب کر کے بیان کرنے لگے، مگر ابن عباسؓ ان کی حدثیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ بشیر کو تعجب ہوا تو انھوں نے اس کا سبب پوچھا تو سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا:

" إِنَّا كُنَّا مَرَّةً إِذَا سَمِعْنَا رَجُلاً يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- ابْتَدَرَتْهُ أَبْصَارُنَا وَ أَصْغَيْنَا إِلَيْهِ بِآذَانِنَا فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ لَمْ نَأْخُذْ مِنَ النَّاسِ إِلاَّ مَا نَعْرِفُ"[55]

ایک وہ وقت تھا جب ہم کسی شخص کو فرمان رسول ﷺ بیان کرتے ہوئے سنتے تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتیں اور اپنے کان اس پر لگا دیتے، پھر جب لوگ اچھی بری راہ چلنے لگے (جھوٹی سچی روایات بیان کرنے لگے) تو اب ہم لوگوں سے صرف وہی روایات لیتے ہیں جو ہم پہچانتے ہیں۔

سیدنا ابن عباس کے اس فرمان کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"ما يوافق المعروف او نعرف امارات الصحة وسمات الصدق"[56]

جو احادیث جانی پہچانی روایات کے موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کی علامات پائی جائیں (وہی ہم لیتے ہیں۔)

اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام تابعی کی مرسل روایت کو قبول نہیں کرتے تھے کیونکہ سیدنا ابن عباسؓ نے تابعی بشیرؒ کے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرنے کی وجہ سے ان کی روایت کو قابل اعتناء نہیں سمجھا اور جب انھوں نے اعتراض کیا تو ان پر واضح کر دیا کہ ہم اب معروف طریقے سے مروی (باسند) روایات ہی قبول کرتے ہیں۔

اس دور میں نقد حدیث کے وجود اور اس میں شدت اس واقعے سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس سیدنا علیؓ کے فیصلوں پر مشتمل ایک کتاب لائی گئی۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے اسے غور سے پڑھا، پھر ایک ذراع کے برابر چھوڑ کر باقی کو مٹا دیا اور فرمایا:

علی نے یہ فیصلے نہیں کیے ہوں گے ماسوا اس صورت میں کہ وہ گمراہ ہوگئے ہوں۔[57]

سیدنا ابن عباسؓ نے نقد حدیث کے ذریعے سے احادیث کو قبول ورد کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے نقد حدیث کے لیے باقاعدہ اصول بھی وضع فرمائے، مثلاً انھوں نے صحت حدیث کے لیے راوی کے بعض اوصاف بیان کیے۔ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"لا يكتب أي الحديث عن الشيخ المغفل "[58]

کمزور حافظے کے مالک شخص سے کوئی بھی حدیث نہ لکھی جائے۔

ابن عباسؓ کے اس فرمان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظہور فتنہ اور روایت کرنے میں تساہل کے بعد عام طور پر صحابہ کرامؓ نے حدیث بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم واحتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کرلی تھی، تاکہ احادیث سازی کے فتنے کا کامل سدباب ہوسکے۔ صحابہ کرام کے اس طرز عمل کی ترجمانی کرتے ہوئے معروف تابعی ابن سیرین فرماتے ہیں:

" لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الإِسْنَادِ فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوا سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلاَ يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ"[59]

وہ (صحابہ وکبار تابعین) سند کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے، لیکن جب (شہادت عثمانؓ کا) فتنہ پیدا ہوا تو کہنے لگے کہ ہمیں اپنی روایت کے راویوں کے نام بیان کرو۔ چنانچہ اگر راوی اہل سنت دکھائی دیتے تو ان کی حدیث قبول کرلی جاتی اور اگر اہل بدعت معلوم ہوتے تو ان کی روایت نہ لی جاتی۔

اسی طرح قبول روایات اور نقد حدیث میں صحابہ کی احتیاط کی بابت امام ابراہیم نخعیؒ (م۹۶ھ) فرماتے ہیں:

" كانوا إذا أرادوا أن يأخذوا عن الرجل نظروا إلى صلاته وإلى هيئته وإلى سمته "[60]

"جب وہ (صحابہ) کسی آدمی سے حدیث لینا چاہتے تو اس کی نماز اور اس کے سیرت وکردار کو دیکھتے۔"

**قصہ مختصر:** دین وشریعت کی حفاظت کے لیے نقد حدیث کے معاملے میں ہر صحابی نے اپنی استطاعت کے مطابق نقد حدیث کا کام کیا ہے، کیونکہ وہ حقیقی محبان رسول ﷺ تھے۔ وہ کیسے برداشت کرسکتے تھے کہ ان کی زندگی میں فرامین نبوی پر کوئی آنچ آئے لیکن ان میں سے بعض صحابہ کے نام نقد حدیث کے باب میں زیادہ نمایاں ہیں۔ امام ابن عدی، حاکم اور سخاویؒ نے نقاد صحابہ کرام میں سیدنا ابو بکر، عمر، علی، زید بن ثابت، ابن عمر، ابن عباس، عبادہ بن صامت، انس بن مالک، عبد اللہ بن سلام اور عائشہؓ کو شمار کیا ہے۔[61]

## تیسری صدی تک نقد حدیث کے وجود کے منکرین کی کج فہمی

منکرین حدیث کے بقول تو تیسری صدی ہجری تک محدثین کے پاس نقد حدیث کے کوئی اصول تھے نہ اس دور میں نقد رجال وحدیث پر کوئی قابل قدر کام ہوا، لیکن ہم بحث سابق سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تیسری صدی تو بہت دور کی بات ہے خود رسول اللہ ﷺ کے دور میں علم جرح

وتعدیل اور نقد حدیث کا آغاز ہو چکا تھا جسے آپ کے بعد صحابہ کرام نے مزید ترقی دی۔ انھوں نے نہ صرف رواۃ کی جرح وتعدیل اور نقد حدیث پر گراں قدر کام کیا بلکہ ان کے اصول بھی مرتب کیے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ دور تدوین کی نسبت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں دو اسباب کی وجہ سے نقد حدیث پر کام قدرے کم ہوا ہے جسے منکرین حدیث اپنی کج فہمی کی وجہ سے سمجھ نہیں پائے۔

**پہلا سبب:** اگر ہم اس دور کے احوال واقدار کا جائزہ لیں تو ہم بطریق احسن اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس دور میں جرح وتعدیل اور نقد حدیث میں صحابہ وتابعین کی طبع آزمائی کی کم ہونے کا سبب یہ نہیں ہے کہ انھوں نے کسی کوتاہی یا اس علم سے بے اعتنائی برتتے ہوئے جرح وتعدیل میں اپنے حصے کا کام نہیں کیا بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس دور میں ضعیف اور کذاب رواۃ کی تعداد بعد کے ادوار کے مقابلے بہت کم تھی۔ بعد میں جیسے جیسے ضعفاء اور کذاب رواۃ کی تعداد بڑھتی رہی اسی طرح رواۃ پر کلام کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

> رواۃ پر صحابہ کرام کی ایک جماعت نے کلام کیا، پھر تابعین میں سے شعبی اور ابن سیرین وغیرہ نے اس فن میں طبع آزمائی کی، لیکن تابعین نے اپنے پیشرو ومتبوعین میں ضعفاء کی قلت کی بنا پر رجال پر قلیل کلام کیا ہے کیونکہ ان کے اکثر اساتذہ صحابہ تھے جو عادل ہیں یا تابعین تھے جن کی اکثریت ثقہ ہے۔ صحابہ اور کبار تابعین کے دور میں حارث اعور اور مختار ثقفی کذاب جیسے اکادکا راوی ہی ضعیف تھے۔ پہلی صدی کے گزرنے کے بعد دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اوساط تابعین میں ضعفاء کا ایک گروہ تھا جن میں سے اکثریت کو ضبط وحفظ میں کمزوری کی بنا پر ضعیف قرار دیا گیا۔۔۔۔ اور ۱۵۰ھ کے لگ بھگ جب تابعین کا آخری دور آیا تو آئمہ کے ایک گروہ نے توثیق وتضعیف کا کام کیا۔[62]

**دوسرا سبب:** دور صحابہ میں علم جرح وتعدیل اور نقد حدیث کے سلسلے میں جو کام بھی کیا گیا وہ مکمل طور پر صحابہ کرام کے حافظے اور ان کی اپنے تلامذہ کے ساتھ گفتگو تک محدود تھا اور صحابہ کرام کے بیان کردہ نقد حدیث کے اصول باقاعدہ طور پر مرتب ومدون نہیں کیے گئے تھے کیونکہ اس وقت تک یہ اصول اپنے تاسیسی دور سے گزر رہے تھے اور ہم اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی باک وعار محسوس نہیں کرتے کہ ابتداء میں نقد حدیث کے اصول مدون نہیں ہوئے تھے، کیونکہ عدم تدوین سے قواعد نقد

کا عدم وجود لازم نہیں آتا لہٰذا یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ ہم تفصیل سے سطور بالا میں یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے اپنے اپنے ادوار میں نقد حدیث پر نہ صرف قابل ستائش کام کیا ہے بلکہ اس فن کے زریں اصول بھی بیان کیے ہیں، لیکن اس وقت تک یہ اصول اپنی ارتقائی منازل طے کر رہے تھے اس لیے صحابہ و تابعین نے انھیں مدون نہیں کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر کام، فن اور علم کا وجود پہلے ہوتا ہے بعد میں اس کے قواعد وضوابط مرتب و مدون کیے جاتے ہیں اور قواعد کا بعد میں مرتب ہونا اس علم یا فن کے عدم کا متقاضی نہیں ہوتا، مثلاً: علم العروض کو سب سے پہلے خلیل بن احمد فراہیدی (م: ۱۷۰ھ) نے دوسری صدی ہجری میں مرتب کیا۔ کیا اس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جاہلیت میں شعر ہوتے ہی نہیں تھے یا اس کے تمام اشعار ناقابل قبول، پایہ اعتبار سے ساقط اور بے وزن ہیں کیونکہ اس دور میں ابھی علم العروض ایجاد بھی نہیں ہوا تھا، لہٰذا ان اشعار کو عروض کی بحروں پر پرکھا نہیں گیا۔ علم فقہ کو لے لیجیے۔ اصول فقہ پر سب سے پہلے امام شافعیؒ (م: ۲۰۴ھ) نے کتاب لکھی۔ حنفی اصول فقہ تو اس کے بھی بعد مدون کیے گئے ہیں۔ کیا اس کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصول فقہ کی تدوین سے پہلے فقہ کا وجود ہی نہیں تھا یا امام ابو حنیفہؒ کے تمام فقہی مسائل مردود اور اصول فقہ کے خلاف ہیں کیونکہ اس وقت تک اصول فقہ مرتب ہی نہیں ہوئے تھے امام صاحب ان کے مطابق کام کیسے کر سکتے ہیں؟

ایسا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ قانون حیات ہے کہ کسی بھی فن، کام یا علم کا وجود پہلے ہوتا ہے، پھر اس کا اور اس کے ماہرین کے اقوال کا جائزہ لے کر ان کی روشنی میں اس کے اصول مرتب کیے جاتے ہیں، چنانچہ فراہیدی نے جاہلی شاعری اور اس کے ماہرین کے اشعار پرکھنے کے اسلوب کو مد نظر رکھ کر علم العروض ایجاد کیا۔ اسی طرح اصول فقہ آئمہ فقہاء کے مسائل اخذ کرنے کے اسلوب کو ملحوظ رکھ کر مرتب کیے گئے۔ بعینہ اسی طرح صحابہ و تابعین نقد حدیث کے لیے جو اسلوب اختیار کرتے تھے اسی کی روشنی میں بعد میں یہ اصول مرتب کیے گئے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اصول نقد حدیث دوسری صدی ہجری میں مرتب ہو گئے تھے اور اس کا سہرا امام شافعیؒ (م: ۲۰۴ھ) کے سر سجتا ہے کہ انھوں نے اصول فقہ پر اپنی مایہ ناز کتاب "الرسالہ" میں نقد حدیث کے اصولوں پر بھی جاندار بحث کی ہے۔[63]

# حوالہ جات وحواشی

[1] پرویز، غلام احمد (مرتب)، مقام حدیث (مجموعہ مضامین)، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۶۹-۷۰

[2] ایضا، ص:۲۷-۳۷

[3] سورة النساء :83/4،سورة المائدة: 106/5، سورة النور: 11،4/24، سورة الأحقاف: 4/46، سورة الحجرات:6/49، سورة الطلاق:2/65

[4] أحمد بن محمد بن حنبل، أبو عبدالله الشيباني، المسند، مؤسسة قرطبة، القاهرة،ط.ن: 46/3، 56، یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں جبکہ اس کی اصل صحیحین میں ہے۔ دیکھیے : البخاري، محمد بن إسماعيل ، أبو عبد الله الجعفي،الجامع الصحيح ، دارالسلام ، الرياض، 1999م، كتاب الجنائز،باب ما يكره من النياحة ،ح: 1291، مسلم بن الحجاج، أبو الحسن القشيري النيسابوري، الجامع الصحيح، دارالسلام للنشر والتوزيع، الرياض، 1998م ، المقدمة، باب فِي التَّحْذِيرِ مِنَ الكذب على رسول الله ﷺ، ح:4

[5] السُّيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، تحذير الخواص من أكاذيب القصاص،ص: 8-63

[6] صحيح مسلم ، المقدمة، باب النَّهْيِ عَنِ الرِّوَايَةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَالِاحْتِيَاطِ فِي تَحَمُّلِهَا،ح:7

[7] صحيح مسلم ، المقدمة، باب النَّهْيِ عَنِ الْحَدِيثِ بِكُلِّ مَا سَمِعَ،ح:5

[8] مسند أحمد:497/3

[9] صحيح البخاري ، فضائل الصحابة، باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ،ح: 3686، المستدرك للحاكم:65/3

[10] صحيح البخاري ، فضائل الصحابة، باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضى الله عنهما،ح:3740 و3741

[11] أبو داود،سليمان بن الأشعث ، السنن، دارالسلام، الرياض، 1999م، الْأَقْضِيَةِ، بَاب إِذَا عَلِمَ الْحَاكِمُ صِدْقَ الشَّاهِدِ،ح:3609

[12] صحيح البخاري، الجهاد،باب الْجَاسُوسِ،ح: 3007،صحيح مسلم، فضائل الصحابة،باب من فضائل أهل بدر،ح:2494

[13] مسند الإمام أحمد:90/4

[14] الترمذي، محمد بن عيسى، السنن، دارالسلام ، الرياض، 1999م ، المناقب، بَاب مَنَاقِبِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، ح:3790، 3791

[15] صحيح البخاري، الأدب ،باب لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ فَاحِشًا ،ح: 6032 ، صحيح مسلم، البر والصلة، باب مداراة من يتقى فحشه، ح:2591

[16] صحيح مسلم ،الطلاق، باب الْمُطَلَّقَةُ ثَلاَثًا لاَ نَفَقَةَ لَهَا، ح:1480

[17] صحيح البخاري، الأدب ، باب مَا يَكُونُ مِنَ الظَّنِّ ،ح:6067

[18] الخطيب البغدادي، أحمد بن علي،أبو بكر،الكفاية في علم الرواية،دار الكتاب العربي،بيروت، لبنان،1985م،ص:55-56

[19] النسائي، أحمد بن شعيب،السنن، دارالسلام، الرياض، 1999م، مناسك الحج، الكراهية في الثياب المصبغة للمحرم، ح:2713

[20] صحيح مسلم، صلاة المسافرين،باب جواز النافلة قائما وقاعدا، ح:735

[21] الاعظمي ، محمد مصطفى ، الدكتور ، منهج النقد عند المحدثين ،مكتبة الكوثر،السعودية،1990م،ص:7مختصرا

[22] الحاكم، محمد بن عبد الله النيسابوري، المستدرك على الصحيحين،دار الكتب العلمية، بيروت،1990م:665/3

[23] الطبراني،سليمان بن أحمد بن أيوب ، أبو القاسم، المعجم الكبير،مكتبة العلوم والحكم، الموصل،1983م :246/1

[24] مستدرك الحاكم:216/1

[25] الدارقطني ،علي بن عمر ،أبو الحسن ، الضعفاء والمتروكون، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع،الرياض،1984م،ص:10

[26] الذهبي، محمد بن أحمد،تذكرة الحفاظ،دار الكتب العلمية، بيروت،لبنان،1998م:9/1۔اس سے ملتی جلتی بات ان سے پہلے امام حاکمؒ نے بھی کی ہے۔دیکھیے : الحاكم، محمد بن عبد الله، المدخل إلى كتاب الإكليل، دار الدعوة،الاسكندرية،ط.ن.،ص:70

[27] سنن أبي داود، الفرائض، باب فِي الْجَدَّةِ،ح:2894 ، تذكرة الحفاظ:9/1

[28] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب جَمْعِ الْقُرْآنِ،ح:4986

[29] تذكرة الحفاظ:11/1

[30] مسند أحمد:115/5

31 صحيح مسلم، الآداب، باب الِاسْتِئْذَانِ،ح:2154

32 سنن أبي داود، الأدب، باب كَمْ مَرَّةٍ يُسَلِّمُ الرَّجُلُ فِي الِاسْتِئْذَانِ،ح:5183

33 سنن أبي داود، الأدب، باب كَمْ مَرَّةٍ يُسَلِّمُ الرَّجُلُ فِي الِاسْتِئْذَانِ،ح:5184

34 صحيح مسلم، الطلاق ،باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ،ح:1480

35 البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى ، معرفة السنن والآثار،دار الوعي،حلب، 1991م :140/1، السُّيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي،مكتبة الرياض الحديثة، الرياض، ط.ن. :300/1

36 سنن أبي داود، الوتر، باب فِي الِاسْتِغْفَارِ،ح:1521

37 ابن حبان ،محمد بن حبان بن أحمد، أبو حاتم التميمي البستي، المجروحين،دار الوعي، حلب،ط.ن :38/1

38 صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب، باب مَا يُذْكَرُ مِنْ ذَمِّ الرَّأْيِ وَتَكَلُّفِ الْقِيَاسِ،ح: 7307

39 صحيح مسلم، الْعِلْمِ، بَاب رَفْعِ الْعِلْمِ وَقَبْضِهِ وَظُهُورِ الْجَهْلِ وَالْفِتَنِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ،ح:2673

40 صحيح مسلم، الْحَجِّ ،باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض،ح:1328

41 سنن أبي داود، الصلاة، باب السكتة عند الافتتاح،ح:777

42 صحيح البخاري، الْجَنَائِزِ،باب فَضْلِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ ،ح:1323،صحيح مسلم،الْجَنَائِزِ،باب فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَاتِّبَاعِهَا،ح:945

43 مسند أحمد: 495/3 ، الطبراني،سليمان بن أحمد بن أيوب، مسند الشاميين،مؤسسة الرسالة، بيروت،1984م :104/1

44 الحميدي ،عبدالله بن الزبير، أبو بكر، المسند،دار الكتب العلمية،بيروت، لبنان، 1988م :91/1

45 بخاری، عبد الغفار، ڈاکٹر، عہد بنوامیہ میں محدثین کی خدمات، نشریات، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۵۲۲

46 ڈاکٹر اعظمی اسناد کے آغاز کی بابت فرماتے ہیں کہ قبل از اسلام کتب وغیرہ کی روایت میں سند سے مشابہ ایک طریقہ استعمال کیا جاتا تھا جس کی مثال یہود کی کتاب "مشنا MISHNA" میں ملتی ہے لیکن اسے قابل ذکر اہمیت حاصل نہیں تھی۔ دور جاہلیت کی شعر وشاعری کی روایت میں بھی کسی حد تک اسناد کا استعمال ہوتا تھا، لیکن اس کی اہمیت صرف احادیث نبویہ کی روایت کے بعد ظاہر ہو کر اپنی انتہا کو پہنچی۔ (الاعظمي ،محمد مصطفى، الدكتور ،دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه،المكتب الإسلامي،1980م:391/2)

[47] ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي ، أبو الفضل، لسان الميزان،مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت، 1986م :289/3

[48] ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم، أبو العباس، مجموع الفتاوى،دار الوفاء، 2005 م: 34/13، ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي ، أبو الفضل، تهذيب التهذيب،دار الفكر، بيروت،1984م:336/4

[49] الذهبي،محمد بن أحمد بن عثمان ،المنتقى من منهاج الاعتدال في نقض كلام أهل الرفض، المطبعة السلفية، القاهرة،ط.ن، ص:22، الذهبي، محمد بن أحمد،ميزان الاعتدال في نقد الرجال ،دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، 1963م :26/1

[50] عجاج الخطيب، محمد،الدكتور، السنة قبل التدوين،مكتبة وهبة،1988م،ص:195

[51] تذكرة الحفاظ:15/1

[52] مجموع الفتاوى :33/13-34، الحوالي،سفر بن عبدالرحمن،الدكتور،أصول الفرق والأديان والمذاهب الفكرية،المكتبة الاسلامية،ط.ن. ص:34- 35

[53] تذكرة الحفاظ:15/1 ودعوا ما ينكرون *کے الفاظ کے بغیر یہ اثر صحیح بخاری میں بھی ہے* ۔ صحيح البخاري، الْعِلْمِ، باب مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ،ح:128

[54] تذكرة الحفاظ:15/1-16

[55] صحيح مسلم ، المقدمة، باب النَّهْيِ عَنِ الرِّوَايَةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَالِاحْتِيَاطِ فِي تَحَمُّلِهَا،رقم: 21

[56] عثماني ،شبير أحمد، فتح الملهم شرح صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي ،بيروت، لبنان،2006م :345/1

[57] صحيح مسلم ، المقدمة، باب النَّهْيِ عَنِ الرِّوَايَةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَالِاحْتِيَاطِ فِي تَحَمُّلِهَا،رقم:22

[58] الكفاية في علم الرواية،ص:179

[59] صحيح مسلم ، المقدمة، باب فِي أَنَّ الإِسْنَادَ مِنَ الدِّينِ،رقم:27

[60] ابن أبي حاتم، عبد الرحمن بن محمد بن إدريس، الجرح والتعديل،دار إحياء التراث العربي،بيروت،1952م :16/2

[61] ابن عدي، عبدالله بن عدي بن عبدالله بن محمد،أبو أحمد الجرجاني،الكامل في ضعفاء الرجال،دار الفكر، بيروت، 1988م :47/1-49 ، الحاكم، محمد بن عبد الله، أبو عبد الله النيسابوري،معرفة علوم الحديث،دار الكتب العلمية، بيروت،1977م ، ص:99، المدخل إلى كتاب الإكليل، ص:70، السخاوي، محمد بن عبد الرحمن، المتكلمون في الرجال،ص:94-95

[62] السخاوي، محمد بن عبد الرحمن،فتح المغيث شرح ألفية الحديث،دار الكتب العلمية، بيروت ،1403ھ :3/350-351

[63] الشافعي،محمد بن ادريس، ابي عبد الله، الرسالة،دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ط.ن.،ص:369-389